© rasailojaraid.com

تاریخ تدوین وجمعِ قرآن

مسلمانوں کی سہل انگاری اور مستشرقین کے شبہات کا جائزہ

(۲)

ڈاکٹر اسماعیل احمد الطحان
مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قراءتوں سے متعلق روایات اور شبہات

مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں دیگر صحابہ کے تیار کردہ مصاحف تلف ہو جانے کے باوجود نصِ قرآنی میں اختلاف کا مسئلہ ختم نہیں ہوا۔ اس لیے کہ جو مصاحف کسی وجہ سے بچ رہے ان میں اور مصحفِ عثمانی میں مختلف پہلوؤں سے بعض فرق تھے۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کے "سات حروف" (سبعۃ احرف) پر نازل ہونے کی وجہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اصحاب کو نصوص قرآن پڑھنے میں کتنی آزادی دے رکھی تھی۔ نصِ قرآن کے حروف کی اہمیت نہیں ہے بلکہ اصل اہمیت روحِ قرآن کو حاصل ہے اس لیے ترادف محض پر مبنی قرات میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جوں جوں اسلامی معاشرہ میں غیر عربی عناصر شامل ہوتے گئے، قرآن کی وجوہِ قرات میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ مصحفِ عثمانی کے نقطوں اور اعراب سے خالی ہونے کی وجہ سے اس کی بنیاد پر ایک گروہ وجود میں آیا۔ اس گروہ کے لوگ آیات کے معانی کو دیکھ کر الفاظ پر ان کے مناسب نقطوں اور اعراب کے ساتھ قرات کرلیا کرتے تھے۔

اس طرح مستشرقین نے قرآن کی "قرات بالمعنی" کا نظریہ پیش کیا۔ یقیناً جمع و تدوینِ قرآن کی تاریخ میں یہ سب سے خطرناک نظریہ ہے۔ اس لیے کہ یہ نصِ قرآن کو ہر انسان کی خواہش کے تابع کر دیتا ہے۔ [1]

---

[1] دیکھئے المدخل الی القرآن۔ بلاشیر ص ۶۹-۷۰ اور مقدمہ المصاحف۔ آرتھر جفری ص ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستشرقین نے قراءتوں کے مسئلے کو اس حیثیت سے پیش کیا گویا وہ محض "اختیاری" ہیں اور قرآن کے الفاظ اور معانی میں اس حد تک تصرف قابلِ گرفت نہیں ہے۔ پھر اس تصور کے ذریعہ انھوں نے مدوّن قرآن کے معانی کی صحت اور اس کے الفاظ کے تحریف اور تبدیلی سے محفوظ ہونے کے سلسلے میں شکوک وشبہات وارد کیے۔

ان دعووں کی تائید میں انھوں نے کچھ روایات پیش کیں جو انھیں اِدھر اُدھر سے مل گئیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن صحیح ہے، جب تک کہ اس کے معانی میں ایسی تبدیلی نہ ہو جائے کہ مغفرت عذاب بن جائے یا عذاب مغفرت" اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "قرآن کو جس طرح چاہو پڑھو۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ جہاں رحمت کا ذکر ہو وہاں عذاب ہو جائے اور جہاں عذاب کا ذکر ہو وہاں رحمت ہو جائے۔"[1]

اسی طرح انھوں نے ابو شامہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "قرآن پہلے قریش اور ان کے اردگرد رہنے والے فصیح عربوں کی زبان میں نازل ہوا، پھر دوسرے عربوں کو اجازت دی گئی کہ وہ الفاظ اور اعراب میں اختلاف کے ساتھ اپنی زبانوں میں اس کی قرارت کر سکیں۔"[2]

اسی طرح مستشرقین نے اپنے دعاوی کو مضبوط بنانے کے لیے بعض دیگر روایات کا سہارا لیا ہے۔ انھیں ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

اعمش کہتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو سورہ توبہ کی آیت ۵۷ میں لَوَلَّوْا اِلَیْہِ یَجْمَزُوْنَ پڑھتے ہوئے سنا۔ انھیں توجہ دلائی گئی کہ قرآن میں لَوَلَّوْا اِلَیْہِ یَجْمَحُوْنَ ہے۔ انھوں نے جواب دیا: یجمحون، یجمزون اور یشتدون سب یکساں ہیں۔[3]

ایک دوسری روایت میں اعمش کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے

۱ـ ان روایات کے لیے دیکھیے مقدمہ تفسیر الطبری، تحقیق احمد محمد شاکر

۲ـ المرشد الوجیز، ابو شامہ، ص ۹۵

۳ـ ملاحظہ کیجیے المحتسب، ابن الجنی ص ۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورہ مزمل کی آیت ۶ میں وَاَصْوَبُ قِيلاً پڑھا۔ ان سے کہا گیا: اے ابوحمزہ قرآن میں تو وَاَقْوَمُ قِيلاً ہے۔ فرمایا: اقوم، اصوب اور اھیا سب ایک ہی جیسے ہیں۔[1]

ابن وہب کہتے ہیں: امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے سورۂ جمعہ کی آیت ۹ میں فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ کے بجائے فامضوا الی ذکر اللہ پڑھا تھا۔ کیا آپ کے خیال میں ان کی طرح پڑھنا صحیح ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یہ جائز ہے، اس لیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "قرآن سات حروف" پر نازل کیا گیا ہے۔ ان میں سے جس پر چاہو پڑھ لو"۔[2]

ابوعبید نے عون بن عبداللہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک شخص کو سورۂ دخان کی آیات ۴۳، ۴۴ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ پڑھائیں۔ اس نے طَعَامُ الیتیم پڑھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کئی مرتبہ دہرایا لیکن وہ صحیح تلفظ کے ساتھ نہ پڑھ سکا تو انھوں نے فرمایا: طَعَامُ الْفَاجِر کہہ سکتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تو یہی کہہ لو۔[3]

اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ سے درج ذیل قراءتیں مروی ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ: ۶) کے بجائے اَرْشِدْنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[4]

اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ (البقرہ: ۶۸) کے بجائے سَلْ لَنَا رَبَّكَ[5]

فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (البقرہ: ۴۴) کے بجائے فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَهٗ[6]

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال۔ ۲) کے بجائے فَرِقَتْ قُلُوْبُهُمْ[7]

حضرت ابی بن کعبؓ سے درج ذیل قراءتیں منسوب ہیں:

---

[1] المحتسب۔ ص ۱۶۲ [2] المرشد ۱۰۵

[3] الاتقان۔ سیوطی ۱/۱۳۵

[4] کتاب الشواذ، ابن خالویہ ص ۲۵

[5] ملاحظہ کیجیے البحر المحیط، ابوحیان ۱/۲۵۱

[6] البحر المحیط ۱/۴۲۹

[7] البحر المحیط ۴/۴۵۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيْهِ (البقرہ:۲۰) مَرُّوْا فِيْهِ، مَضَوْا فِيْهِ ؎۱

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَاءِهِمْ (البقرہ:۲۲۶) للذين يقسمون من نساءهم ؎۲

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال:۲) فزعت قلوبهم ؎۳

حضرت ابن عباسؓ سے درج ذیل قراءتیں منسوب کی گئی ہیں:

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ (البقرہ:۲۲۷) وَإِنْ عَزَمُوا السَّرَاحَ ؎۴

لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ (البقرہ:۲۰۳) أَنْ يُكْمِلَ الرَّضَاعَةَ ؎۵

حضرت علیؓ کی طرف درج ذیل قراءتیں منسوب ہیں:

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوْصٍ جَنَفًا (البقرہ:۱۸۲) مِنْ مُوْصٍ حَيْفًا ؎۶

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا (یوسف:۳۰) قد شعفها حبًّا ؎۷

مستشرقین کا یہ بھی کہنا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ایک لفظ کی جگہ اس کے ہم معنی دوسرا لفظ پڑھنے کی اجازت دے دی تھی، اسی طرح انھوں نے اس آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لیے جائز کرلیا تھا کہ وہ نص میں کچھ اضافہ کرلیں، تاکہ معنی زیادہ واضح ہوجائے، یا کچھ کم کرلیں تاکہ جو چیز ان کی نگاہ میں صحیح نہیں ہے اس کی اصلاح ہوجائے۔ اس دعویٰ پر انھوں نے بعض ان روایات سے استدلال کیا ہے جنھیں ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں نقل کیا ہے، مثلاً:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرہ:۱۵۸) حضرت ابیؓ کے مصحف اور ان کی قراءت میں أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ہے ؎۸

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ:۱۹۸) حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے مصاحف اور قراءتوں میں اس کے

؎۱ البحر المحیط ۹۰/۱
؎۲ ایضاً ۱۸۳/۲
؎۳ ایضاً ۳۰۱/۵
؎۴ ایضاً ۱۸۰/۲
؎۵ ایضاً ۲۱۳/۲
؎۶ کتاب المصاحف ص ۵۳
؎۷ ایضاً ۳۵۷/۴
؎۸ ایضاً ۲۴/۲

۲۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگے فی مواسم الحج کا اضافہ ہے ؎۱

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ (آل عمران ۔ ۱۷۵) حضرت ابن عباسؓ کے مصحف اور قرارت میں یُخَوِّفُكُمْ ہے ۔ (کم کے اضافہ کے ساتھ) ؎۲

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران ۔ ۱۵۹) حضرت ابن عباسؓ کے مصحف اور قرارت میں فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ہے (بعض کے اضافہ کے ساتھ) ؎۳

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ (النساء: ۲۴) حضرت ابن عباسؓ کے مصحف اور قرارت میں اس کے بعد الی اجل مسمّیٰ کا اضافہ ہے ؎۴

فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ (المائدہ: ۵۲) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مصحف اور قرارت میں فَيُصْبِحُ الْفُسَّاقُ ہے ؎۵

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ (البقرہ: ۲۳۸) حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے مصاحف اور قراءتوں میں اس کے بعد وَصَلَاةِ الْعَصْرِ (حرف عطف کے ساتھ) اور ایک روایت کے مطابق صَلَاةِ الْعَصْرِ (بغیر حرف عطف) کا اضافہ ہے ۔ اسی روایت کے ساتھ ایک دوسری روایت حضرت ابیؓ یا حضرت زید بن ثابتؓ (شکِ راوی) کی جانب منسوب ہے کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد ظہر کی نماز ہے ۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم ظہر کے وقت اپنی اونٹنیوں میں اور دیگر کاموں میں سب سے زیادہ مشغول ہوتے ہیں ؎۶

ابن ابی جمرۃ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۷ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ کو یوں پڑھا کرتے تھے ۔ فَإِنْ آمَنُوا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ ۔ ایک دوسری روایت میں ابن ابی جمرۃ کہتے ہیں : میں نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے : مِثْل نہ پڑھو ۔ اس لیے کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے یوں پڑھا کرو : فَإِنْ آمَنُوا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ ؎۷

؎۱ کتاب المصاحف ص ۷۴، ۵۴ ؎۲ ایضاً ص ۷۶ ؎۳ ایضاً ص ۷۵
؎۴ ایضاً ص ۸۱ ؎۵ ایضاً ص ۸۲
؎۶ ایضاً ص ۸۳ ۔ ۸۷ ؎۷ ایضاً ص ۷۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح مستشرقین کے نزدیک اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ قرآن کو اس کے نظم کے خلاف پڑھا جائے یا اس کے الفاظ کی ترتیب الٹ دی جائے، بشرطیکہ معنی میں کوئی فرق نہ آجائے۔ اس دعویٰ پر بھی انھوں نے متعدد روایات سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً:

ابن ابی داؤد روایت کرتے ہیں کہ ابونوفل بن ابی عقرب کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباسؓ کو مغرب کی نماز میں سورۂ نصر کی پہلی آیت: اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ کو یوں پڑھتے ہوئے سنا: اِذَا جَاءَ فَتْحُ اللّٰہِ وَالنَّصْرُ[1]

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن: ۳۵) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں علی قلب کل متکبر جبار ہے۔[2]

البرہان میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آیت وَجَاءَتْ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ (ق-۱۹) کو یوں پڑھا: وجاءت سکرۃ الحق بالموت[3]

اس طرح مستشرقین نے پوری کوشش کی کہ نصِ قرآن اور اس کی قراءتوں کے محفوظ ہونے میں شبہ پیدا کر دیں۔ اگر قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ پہلے کی آسمانی کتابوں میں تحریف ہوگئی ہے تو خود اس میں ہونے والی تحریفات کم نہیں ہیں۔ یہ کڑوے کسیلے پھل ہمیں اس لیے دیکھنے پڑے ہیں کہ ہم نے روایات کے اخذ و نقل میں غفلت سے کام لیا ہے اور تساہل برتا ہے۔ جن لوگوں نے "سبعۃ احرف" اور 'قراءتوں' کے مسئلے پر بحث کی ہے اگر انھوں نے صحیح ترین روایات کو قبول کیا ہوتا اور ان میں وارد اشکالات کو صحیح طریقے سے حل کیا ہوتا تو ہم صحیح نتائج تک پہنچتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ مثلاً "سبعۃ احرف" کی تشریح میں بعض لوگوں نے آنکھ بند کر کے سارے اقوال نقل کر دیے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد تقریباً چالیس تک پہنچ گئی ہے۔ سیوطیؒ نے الاتقان میں ان تمام اقوال کو جمع کر دیا ہے۔ اس فکری بے راہ روی نے مشکلات کھڑی کر دی ہیں اور اس کی وجہ

---

[1] کتاب المصاحف ص ۸۱ [2] ایضاً ص ۷۰

[3] دیکھئے البرہان ۱/۳۳۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے شبہات پیدا ہوئے ہیں۔

سبعۃ احرف کی تشریح میں وارد تمام اقوال پر تفصیل سے بحث کرنے کا موقع نہیں لیکن یہاں ہم ان میں سے چند اقوال پیش کریں گے۔ تاکہ اس وہم کا اندازہ لگا سکیں جس نے قرارت بالمعنی کے نظریہ سے متعلق اس قضیہ کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔

'سبعۃ احرف' کی ایک تشریح یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد سات وجوہِ اختلاف ہیں۔ ابن قتیبہ نے ان میں سے درج ذیل گنائے ہیں:

۱۔ لفظ کا اختلاف، یعنی دوسری قرارت میں کسی لفظ کی جگہ دوسرا ہم معنی لفظ ہو۔ مثلاً اِنْ کَانَتْ اِلَّا صَیْحَۃً (یٰس۔۲۹) کے بجائے ان کانت الا زقیۃ

۲۔ تقدیم وتاخیر کا اختلاف۔ مثلاً وَجَاءَتْ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ (ق۔۱۹) دوسری قرارت میں سَکْرَۃُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ ہے۔

۳۔ کمی وزیادتی کا اختلاف، مثلاً اِنَّ هٰذَا اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً (ص:۲۳) کے بعد دوسری قرارت میں انثیٰ کا اضافہ ہے۔[1]

امام فخرالدین رازی نے ایک وجہِ اختلاف 'ابدال' کا ذکر کیا ہے۔ یعنی ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ لانا۔ مثلاً: فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (جمعہ۔۹) کے بجائے فامضوا الی ذکر اللہ۔

ابن الجزری نے اختلاف کی ایک صورت یہ بتائی ہے کہ کسی لفظ کی جگہ دوسری قرارت میں ایسا لفظ ہو جو صورت اور معنی دونوں اعتبار سے اس سے مختلف ہو۔ مثلاً وامضوا حیث تؤمرون (الحجر:۶۵) کی جگہ واسعوا حیث تؤمرون

ابوبکر بن الطیب نے ایک وجہِ اختلاف یہ بیان کیا ہے کہ کسی لفظ کی جگہ دوسری قرارت میں ایسا لفظ ہو جو صورۃً مختلف لیکن ہم معنی ہو۔ مثلاً کالعھن المنفوش (القارعۃ۔۵) کے بجائے کالصوف المنفوش

یہی بات ڈاکٹر صبحی صالح نے بھی لکھی ہے کہ ایک وجہِ اختلاف یہ ہے کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ ہو مثلاً كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعۃ:۵) کی جگہ

---

[1] ملاحظہ کیجئے تاویل مشکل القرآن۔ ابن قتیبہ، ص ۳۷۔۳۸، تحقیق السید صقر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کالصوف المنفوش[1]

اس تقسیم کے ذریعہ یہ حضرات ان تمام متقابل وجوہ کو وحی منزل میں سے شمار کرتے ہیں اور حدیثِ نبوی "نُزِلَ القرآن علی سبعۃ احرف" (قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے) کی رو سے ان سب میں قراءتِ قرآن جائز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض وجوہ واضح طور پر ترادف کے قبیل سے ہیں۔

علامہ ابن الجزری، جنھوں نے وجوہِ اختلاف ذکر کیے ہیں، خود انھوں نے اپنی کتاب "النشر فی القراءات العشر" میں لکھا ہے کہ "جو شخص کہتا ہے کہ بعض صحابہ مثلاً حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ قراءت بالمعنی کو جائز قرار دیتے تھے، وہ جھوٹا ہے .... ہاں بسا اوقات وہ قراءت میں توضیح وتبیین کے لیے تفسیر داخل کر دیتے تھے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست اخذ و استفادہ کی بنا پر وہ قرآن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس لیے ان کے تعلق سے قرآن اور غیر قرآن میں التباس کا اندیشہ نہیں تھا، بسا اوقات وہ قرآن کے ساتھ اس کی تفسیر لکھ لیا کرتے تھے"[2]

بعض صحابہ کے مصاحف میں تفسیری اضافات ہونے کی تائید شہاب خفاجی کی ایک روایت سے ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: مصحف ابن عباس میں اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (الاحزاب۔۶) کے بعد وھو ابٌ لھم کا اضافہ تھا، ایک مرتبہ ایک غلام اس آیت کو مذکورہ اضافہ کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ وہاں سے گزرے اور غلام کو اضافہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: "اسے اپنے صحیفے سے مٹا دو" راوی کہتے ہیں: غلام قرآن اور تفسیر میں فرق نہیں کر سکا تھا۔[3]

بہت سے علماء نے ان مترادفات کو وحی میں شمار کرنے سے انکار کیا ہے اور بعض علماء نے انھیں قبول کرنے میں تردّد کا اظہار کیا ہے اور انھیں آحاد میں شمار کیا ہے۔ یہ ان کا تسامح ہے۔ اس لیے کہ اگر انھیں صحیح فرض کر لیا جائے تو بھی

---

[1] ملاحظہ کیجیے مباحث فی علوم القرآن۔ ڈاکٹر صبحی الصالح ص ۱۱۰

[2] النشر فی القراءات العشر، ابن الجزری، ۳۲/۱

[3] ملاحظہ کیجیے نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض، ۳۰۳/۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متواتر کے مقابلے میں وہ باطل ٹھہریں گے۔

امام سیوطی نے اس قضیہ کی مزید وضاحت کی ہے۔ انھوں نے قرآن کی کئی قسمیں بیان کی ہیں: متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع، پھر لکھا ہے: ایک چھٹی قسم بھی میری سمجھ میں آئی ہے اور وہ ہے مُدرَج، یعنی جس کا اضافہ نصّ قرآن میں بطور تفسیر کرلیا گیا ہو۔ مثلاً آیت وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ (النساء-۱۲) کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قرارت میں من امّ کا اضافہ ہے اور آیت لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ (البقرہ: ۱۹۸) کے بعد حضرت ابن عباسؓ کی قرارت میں فی موسم الحج کا اضافہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت حسنؒ آیت وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا (مریم: ۷۱) کے آگے الورود الدخول کا اضافہ کرتے تھے۔ الانباری کہتے ہیں: حضرت حسن کی جانب سے الورود الدخول کا اضافہ بطورِ تفسیر تھا۔ لیکن بعض راویوں نے غلطی سے اسے قرآن میں شامل کردیا۔[1]

ہمیں ان علماء پر حیرت ہے جو ان وجوہِ اختلاف کو "سبعۃ احرف" میں سے شمار کرتے ہیں، حالانکہ ان کا ان سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ہمیں مزید حیرت ان حضرات کے رویے سے ہوتی ہے جو ان روایات کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ہمیں یقین ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان وجوہ میں قرارتِ قرآن کی اجازت تھی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے جمعِ قرآن کے بعد ان کا خاتمہ ہوگیا۔ اب کسی کو ان میں قرارت کرنے کا حق نہیں رہا۔ ان کا تذکرہ بس بطورِ تفسیر کیا جاسکتا ہے۔ مصاحفِ صحابہ میں جو اضافے مذکور ہیں، ان کا یہی حکم ہے۔"[2]

اگر یہ اضافے جزوِ قرآن نہیں ہیں تو پھر اس یقین کے کیا معنی؟!

پھر جن لوگوں نے "سبعۃ احرف" کا اطلاق سات وجوہِ اختلاف پر کیا ہے ان میں وجوہ کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کے علماء نے

---

[1] الاتقان ۱/۷۷

[2] ملاحظہ کیجیے تاریخ القرآن، ڈاکٹر شاہین ص ۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استقرار کے ذریعہ جو وجوہ بیان کیے ہیں، بعد کے لوگوں کو ان پر اطمینان نہیں ہوا اور ان میں کمی محسوس ہوئی اس لیے انھوں نے متقدمین سے مختلف انداز پر وجوہِ اختلاف شمار کرائے[1]

"سبعۃ احرف" کے سلسلے میں ایک دوسری رائے یہ ہے کہ ان سے مراد عرب کی سات زبانیں ہیں۔ اس رائے کے قائلین کے درمیان اس چیز میں اختلاف ہے کہ وہ سات زبانیں کون کون سی ہیں اور نصِ قرآنی میں ان کے وقوع کی نوعیت کیا ہے؟ ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

"اس سے مراد ایک حرف اور ایک لفظ میں سات زبانیں ہیں۔ یعنی الفاظ مختلف ہوں لیکن ان کے معانی ایک ہوں۔ مثلاً ھلمّ، اقبل، تعال، الیّ، قصدی، نحوی، قربی کہ یہ سب الفاظ مختلف لیکن ہم معنیٰ ہیں۔ جیسا کہ ابوبکرۃ ثقفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبرئیلؑ نے کہا: قرآن کو ایک حرف پر پڑھو۔ میکائیلؑ نے کہا: ایک سے زائد حروف پر پڑھنے کی اجازت لے لیجئے۔ جبرئیل نے کہا: اچھا دو حروف پر پڑھ سکتے ہو۔ یہاں تک کہ انھوں نے چھ یا سات حروف پر پڑھنے کی اجازت دے دی۔ پھر فرمایا: اتنا کافی ہے۔ ان میں سے کسی حرف پر بھی قرآن پڑھا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ آیتِ عذاب کے آخر میں رحمت کا اور آیتِ رحمت کے آخر میں عذاب کا ذکر نہ ہوجائے۔ مثلاً ھلمّ اور تعال کہ دونوں الفاظ کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔"[2]

اس قول سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی قرات بالمعنی جائز ہے۔ لیکن اس کے رد میں کہا گیا ہے کہ اس حدیث کے مضمون میں حصر نہیں ہے کہ اس سے اس قول پر استدلال کیا جاسکے بلکہ جیسا کہ ابن عبد البرؒ نے فرمایا ہے۔ اس میں ان حروف کی (جن پر قرآن نازل ہوا ہے) تمثیل بیان کی گئی ہے کہ ان سے مراد ایسے مضامین ہیں

---

[1] ملاحظہ کیجئے ہماری کتاب من قضایا القرآن ص ۲۶-۳۱

[2] دیکھئے مقدمہ تفسیر طبری ۱/ ۵۷ و ما بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کے الفاظ اگرچہ مختلف ہوں لیکن ان کے معنی و مفہوم میں اختلاف نہیں ہے۔ یعنی وہ متضاد معانی اور متعارض وجوہ پر دلالت نہیں کرتے کہ مثلاً ایک ہی آیت میں رحمت کا بھی ذکر ہو اور عذاب کا بھی"[1]

مذکورہ بالا نصوص کے ذریعہ مستشرقین نے "قرارت بالمعنی" کے اپنے نظریے کو تقویت دی ہے۔ ان روایات سے جہاں ایک طرف مستشرقین نے خوب فائدہ اٹھایا ہے وہیں بہت سے محققین انھیں مطلق خاطر میں نہیں لاتے، بلکہ انھیں "خرافات" قرار دیتے ہیں جنھیں قرآن کے اعجازِ الفاظ اور بلاغتِ معانی کے احترام میں تاریخِ تدوینِ قرآن سے خارج کر دینا چاہیے۔

جس شخص کو بھی عقل اور ذوقِ سلیم کا تھوڑا سا حصہ ملا ہے، وہ بخوبی جانتا ہے کہ لفظ "ھلمّ" کی دلالت ان الفاظ کے مثل نہیں ہے جنھیں ابن جریرؒ نے اس کے مترادف کی حیثیت سے پیش کیا ہے یعنی: اقبل، تعال، الیّ، قصدی، نحوی قربی۔ ان الفاظ کے معانی میں فرق پایا جاتا ہے، لفظ "قربی" سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزیں یا دو اشخاص ایک دوسرے سے قریب ہیں۔ 'الیّ' میں فریاد کے ساتھ ندا کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ 'تعال' اور 'نحوی' بھی ہم معنی نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم بسا اوقات دونوں الفاظ کو ایک ساتھ استعمال کرکے اس سے مختلف مفہوم مراد لیتے ہیں جو صرف لفظ 'تعال' سے حاصل ہوتا ہے۔[2]

پھر قرآن کا کیا اعجاز باقی رہ جائے گا اگر کوئی انسان ان کی جگہ ایسے الفاظ استعمال کرلے جن سے مفہوم صحیح طور پر ادا نہ ہو رہا ہے اور وہ سیاق میں بھی درست نہ ہوں، مثلاً آیت: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ (الدخان: ۴۳-۴۴) میں 'اثیم' کی جگہ لفظ "فاجر" رکھ دے، جیسا کہ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک بدو کو ایسا کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

کیا "سبعۃ احرف" اس کھلواڑ اور استخفاف کی نوعیت کی کوئی چیز ہے جس کا

---

[1] دیکھئے البرہان، ۱/ ۲۲۱۔ الاتقان ۱/ ۱۶۸

[2] ملاحظہ کیجئے عن القرآن صبیح ص ۱۲۴

۸۵۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اظہار اس روایت سے ہوتا ہے کہ ایک بدو سورۂ نوح کی پہلی آیت کو یوں پڑھ رہا تھا: انا بعثنا نوحًا الی قومہ اس سے کہا گیا کہ صحیح آیت یوں ہے: إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦ تو اس نے جواب دیا۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں، سوائے تمہاری کٹ حجتی کے“

ایسی روایات کیونکر قابلِ قبول ہوسکتی ہیں جب کہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت براء بن عازبؓ کو ایک دعا سکھائی، اس میں ایک جملہ یہ تھا: ونبیّك الذی ارسلت حضرت براءؓ نے اس کے بجائے کہا: ورسولك الذی ارسلت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ٹوکا اور فرمایا ”یہ نہیں بلکہ نبیّك کہو“[۱] دونوں الفاظ درست تھے اور ایک کی جگہ دوسرے کو استعمال کرنے سے معنی میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن آپؐ نے لفظ ”نبی“ کی جگہ ”رسول“ استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ اس کی وجہ غالبًا بس یہ تھی کہ اس سیاق میں لفظ ”نبی“ ہی کا استعمال درست تھا۔ اسی لیے آپؐ نے اس کے بجائے دوسرا لفظ کہنے سے منع کیا۔[۲]

صحیح بات یہ ہے کہ ”سبعۃ احرف“ اس تبدیلی کی نوعیت کی کوئی چیز نہیں ہے، اور نہ اسے ’قرارت بالمعنیٰ‘ کے نظریے کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ہم ’سبعۃ احرف‘ کی جو توجیہ بیان کرنے جارہے ہیں اس سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی اور وہ توجیہ عقلی اعتبار سے بھی قابلِ قبول ہوگی اور آثار و روایات سے بھی اس کی مطابقت ہوجائے گی۔

’سبعۃ احرف‘ کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ان احادیث کا مطالعہ کیا جائے جن میں اس کا تذکرہ آیا ہے اور ان حالات کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے جن میں یہ بات کہی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث ابو کریب کے واسطے سے حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ احجار المراء کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: ”میری بعثت ایک ناخواندہ قوم کی طرف ہوئی ہے۔ ان میں غلام اور خادم بھی ہیں اور بوڑھے اور معذور لوگ

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب اذا بات طاہرًا۔

[۲] ملاحظہ کیجیے مناہل العرفان، زرقانی ۱/۱۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی" حضرت جبریلؑ نے فرمایا: "وہ قرآن کو "سات حروف" پر پڑھ سکتے ہیں"۔ ؎۱

اس حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک ناخواندہ قوم کی طرف ہوئی تھی۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو قرآن کے تلفظ کو صحیح طریقے سے ادا کرنے سے قاصر تھے۔ اس لیے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ اس معاملے میں ان کے لیے آسانی پیدا کی جائے۔ آپ کی درخواست کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا اور ان کے لیے بڑی آسانی کر دی گئی۔ یہ واقعہ مدینہ کا ہے۔ اس لیے کہ احجار المراء، مدینہ سے باہر قباء کے پاس ایک مقام کا نام ہے ؎۲

اور جہاں تک حالات کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ مدنی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ تھا جن میں مختلف رنگ، نسل اور قبیلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بستے تھے۔ اور جزیرۃ العرب کے اطراف سے اور اس کے باہر سے بھی لوگ کثرت سے اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے آتے رہتے تھے ؎۳

بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قراءت قرآن کے معاملے میں رخصت دینے اور آسانی پیدا کرنے کا آغاز تھا۔ بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قراءت قرآن کے سلسلے میں بعض صحابہ کے اختلافات پیش کیے گئے تو آپؐ نے بھی یہی بات فرمائی۔ اگرچہ ان روایات سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اختلافات کی نوعیت کیا تھی؟

اگر اس کے ساتھ ہم بعض لغوی حقائق کا بھی اضافہ کریں تو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ یہ لوگ نصِ قرآنی کی صحیح طریقے پر ادائیگی سے کیوں قاصر تھے؟ اہل عرب کی زبانیں ایک ایسی "ٹکسالی" زبان میں ڈھل گئی تھیں جسے قریش نے مختلف قبائل کی زبانوں سے منتخب کیا تھا اور مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے ان کے خواص (نہ کہ عوام) نے اپنی محفلوں اور بازاروں میں اسے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ بنایا تھا اور اسی میں وہ اشعار کہتے اور خطبے دیتے تھے۔ اسی ٹکسالی زبان سے اسلام ہم آہنگ ہوا اور

؎۱ حدیث کے الفاظ ابو اسامہ کے ہیں۔ اس کی سند حسن صحیح ہے، الطبری ۱/۳۵ ؎۲ حوالہ سابق

؎۳ تاریخ القرآن۔ ڈاکٹر شاہین ص ۴۲

۴۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسی میں قرآن نازل ہوا۔ اس سے اس زبان کی وحدت مضبوط ہوئی اور اس کی جامعیت میں اضافہ ہوا۔ لیکن اس لغوی وحدت سے ان مختلف لہجوں کا خاتمہ نہیں ہوا جو ماقبلِ اسلام سے رائج تھے بلکہ وہ اسلام کے بعد بھی مختلف قبائل میں باہم گفتگو کے ذریعہ کی حیثیت سے باقی رہے اور جو شخص کسی وجہ سے اس ٹکسالی زبان میں گفتگو نہ کرسکتا تھا وہ اپنے قبیلے میں رائج لہجے کا سہارا لیتا تھا۔

چونکہ مختلف قبیلوں میں ان کے اپنے لہجے رائج تھے اور دوسری جانب عوام قرآن کی تلاوت کے دوران قرآن کی ٹکسالی زبان کی ادائیگی میں دشواری محسوس کرتے تھے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ اس معاملے میں ان کے لیے آسانی پیدا کی جائے۔ چنانچہ انھیں اجازت دی گئی کہ وہ جس طرح قرآن کو بسہولت پڑھ سکتے ہوں پڑھیں اور ان کی زبانیں جس لہجے سے مانوس ہیں اس کے علاوہ دوسرے لہجے میں بتکلف تلاوت کرنے کی زحمت نہ کریں[1]

تمام علماء نے اس چیز کو (سبعۃ احرف کی تشریح میں اپنے نقطہ ہائے نظر کے اختلاف کے باوجود) رخصت کا سبب قرار دیا ہے۔ ابوشامہ کہتے ہیں:

"قرآن کو قریش کی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ یہ اجازت تمام اہلِ عرب کے لیے تھی۔ اس لیے کہ یہ مناسب نہیں تھا کہ کسی قبیلہ کو اس کی اجازت دی جائے اور کسی کو نہ دی جائے اور یہ کہ کسی شخص کو اس کی استطاعت سے زیادہ کا مکلّف قرار دیا جائے۔ مثلاً جس شخص کی زبان میں امالہ، یا ہمزہ کی تخفیف یا ادغام کیا جاتا ہو یا میم جمع کو پیش دیا جاتا ہو یا ہائے کنایہ کو ملایا جاتا ہو اسے اس سے مختلف چیز کا کیوں کر پابند کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کی زبان ایسی ہو مثلاً لفظ 'اشدق' کہنے میں اس کے منہ سے 'ش' کے بجائے 'ج' نکلتا ہو یا 'مصدر' کہنے میں 'ص' کے بجائے 'ز' نکلتا ہو وہ اس شخص کے درجے میں ہے جس کی زبان میں لکنت اور ہکلاپن ہو۔ اسے اس

---

[1] ملاحظہ کیجیے فقہ اللغۃ، ڈاکٹر صبحی صالح ص ۵۰، ادر فی اللہجات العربیۃ۔ ڈاکٹر ابراہیم انیس ص ۴۳، ۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی استطاعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اس پر لازم ہوگا کہ وہ قرآن کو صحیح طریقے سے پڑھنے کی کوشش کرتا رہے[1]

یہی بات پہلے ابن قتیبہؒ بھی کہہ چکے تھے۔ انھوں نے لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی پیدا کر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ہر قبیلے کو اس کی اپنی زبان میں، جس سے وہ مانوس ہے، قرآن پڑھائیں، چنانچہ قبیلۂ ہذیل سے تعلق رکھنے والا حتّیٰ حین کو عتّی حین پڑھتا ہے قبیلۂ اسد کا آدمی تعلموت کوت کے زیر سے پڑھتا ہے۔ تمیمی ہمزہ کے ساتھ بولتا ہے اور قریشی ہمزہ کے ساتھ نہیں بولتا۔ اگر ہر قبیلے والوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنی زبان ترک کر دیں جسے بولتے ہوئے ان کا بچپن اور جوانی گزری ہے اور بڑھاپا گزر رہا ہے تو اس میں انھیں سخت دشواری پیش آتی اور انتہائی زحمت ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور لطف وکرم سے جس طرح دین کے معاملے میں ان کے لیے آسانی فرمائی اسی طرح زبانوں اور حرکات کے سلسلے میں بھی انھیں رخصت دی"[2]

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ علماء نے اپنے بیانات میں صحیح لغوی اصطلاحات کا استعمال نہیں کیا ہے۔ وہ "لہجوں" کے لیے "زبانوں" (لغات) کا لفظ لائے ہیں۔ اگرچہ بطور مجاز یہ استعمال جائز ہے لیکن اس جگہ یہ غلط فہمی پیدا کرنے والی تعبیر ہے، اس لیے کہ اس سے دو لغوی مفہوم (یعنی زبان اور لہجہ) خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ اس جگہ لفظ "لہجہ" کا استعمال کرنا چاہیے نہ کہ لفظ "زبان" (لغۃ) کا۔ اس لیے کہ رخصت مشقت کو دور کرنے کے لیے دی گئی اور اس کا تعلق لہجوں سے ہے نہ کہ زبانوں سے۔ لہجہ نام ہے ان صوتی اوصاف کا جن کا تعلق لفظ کی ادائیگی کے طریقے سے ہے اور اس معاملے میں مختلف قبیلوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً

---

[1] المرشد الوجیز ص ۹۷

[2] تاویل مشکل القرآن ص ۳۹ - ۴۰

۴۶۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض قبائل زور سے آواز نکالتے ہیں تو بعض آہستہ، بعض کی آوازوں میں کرختگی ہوتی ہے تو بعض میں نرمی، بعض الگ الگ کرکے بولتے ہیں تو بعض ملاکر، بعض ہمزہ کو مخفف کرکے بولتے ہیں تو بعض اسے ظاہر کرتے ہیں اور لفظ کے ڈھانچے اور اعراب میں بھی ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ یہ وہ اوصاف ہیں جنھیں ترک کرکے دوسرے اوصاف اختیار کرنا دشوار ہوتا ہے[۱] جب کہ "زبان" (لغۃ) سے مراد الفاظ اور ان کی دلالتوں کا اختلاف ہوتا ہے۔ اس کی رعایت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اس لیے کہ قرآن نے اس ٹکسالی زبان کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو تمام اہلِ عرب کی زبانوں سے مل کر بنی تھی ہے[۲]

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ "سبعۃ احرف" کی قابلِ قبول تشریح یہ ہے کہ اس سے مراد الفاظ کی ادائیگی کے وہ طریقے ہیں جن سے عربوں کے لہجوں میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اور "قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والے کو رخصت دی گئی ہے کہ جس طرح اسے پڑھنے میں آسانی ہو اور وہ بغیر مشقت کے الفاظ ادا کرسکے، ویسے ہی پڑھے۔

لفظ "سبعۃ" (سات) اس مطلق اجازت میں رکاوٹ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ عربی زبان کا "عدد تام" ہے اور اس سے اہلِ عرب اچھی طرح واقف تھے[۳]

سیوطیؒ نے قاضی عیاضؒ کی جانب یہ قول منسوب کیا ہے کہ لفظ "سبعۃ" (سات) سے مراد حقیقی عدد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اکائی میں کثرت ہے جس طرح دہائی میں کثرت کے لیے "سبعین" (ستر) اور سیکڑہ میں کثرت کے لیے "سبع مائۃ" (سات سو) استعمال کیا جاتا ہے[۴]

لفظ "سبعۃ" سے مراد مطلق رخصت ہے۔ اس کا اشارہ حضرت ابن عباسؓ کی

---

[۱] فی اللہجات العربیہ ص ۱۶ - ۱۹

[۲] علوم القرآن، الصالح ص ۱۱۳ - ۱۱۵

[۳] ملاحظہ کیجیے اعجاز القرآن، رافعی ص ۶۸

[۴] الاتقان ۱/۱۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس روایت سے ملتا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ایک ہی زبان (یعنی لہجہ) میں قرآن پڑھاتے تھے۔ اس سے انھیں زحمت ہوتی تھی۔ اس پر جبریلؑ آئے اور انھوں نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر قوم کو اس کی زبان میں قرآن پڑھائیے۔" [۱]

بعض علماء نے اس سے بھی زیادہ توسّع اختیار کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ "سبعۃ احرف" کا اطلاق صرف عربی لہجات پر نہیں ہوگا، بلکہ اس میں دنیا کے تمام خطوں میں رہنے بسنے والے آج تک کے مسلمانوں کے لہجے شامل ہیں۔ مسلمان کا کوئی بھی لہجہ ہو، کسی ماحول میں رہتا ہو، وہ الفاظ قرآن کو جس طرح بھی ادا کرسکتا ہو کرے، نہ اس پر نکیر کی جائے گی اور نہ اس کا مذاق اڑایا جائے گا۔ [۲]

میرا خیال ہے کہ اس رخصت کو صرف عربی زبان کے دائرے میں اور اسلام کی اس روح کے تابع رکھنا چاہیے کہ وہ معذوروں کے لیے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اس توسّع کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن پڑھنے والا الفاظِ قرآن کو جس طرح چاہے ادا کرے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے ان لہجات کی نگرانی فرمائی ہے، ان میں سے فصیح لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی ہے اور جن لہجوں کی وجہ سے نصِّ قرآنی معیارِ فصاحت سے گرجاتا ہے ان میں پڑھنے سے منع کیا ہے مثلاً الکشکشۃ القیسیۃ جس میں کافِ مؤنث (كِ) کو 'ش' پڑھا جاتا ہے جیسے آیت قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (مریم:۲۴) کے بجائے قد جعل ربّش تحتش سریّا اور العنعنۃ التمیمیۃ جس میں ھمزہ 'ان' کو 'ع' پڑھا جاتا ہے جیسے آیت عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ (المائدہ:۵۲) کے بجائے عسی اللہ عن یاتی بالفتح۔ [۳]

گویا قرآن کریم جس ٹکسالی زبان میں نازل ہوا ہے اور جن لہجات میں خود

---

[۱] المرشد الوجیز ص ۹۶-۹۷

[۲] اللہجات العربیۃ ص ۵۷

[۳] المرشد ص ۱۰۱، ۱۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا ہے یا قراء صحابہ کو پڑھانے کی اجازت دی ہے، وہ اس معاملے میں برابر ہیں کہ ان میں سے کسی میں بھی قرآن کی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ رہے ان کے علاوہ دوسرے لہجے تو ان میں پڑھنے کی رخصت عذر کی بنا پر ہے اور یہ رخصت عارضی ہے اور صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ پڑھنے والا سیکھ کر اور مشق کے ذریعے معیاری ادائیگی پر قادر نہ ہو جائے۔[1]

شاید یہی وہ معیار ہے جس کی بنا پر حضرت ابن مسعودؓ نے اس شخص کی قراءت کو غلط قرار دیا تھا جس نے آیت اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ (الدخان: ۴۳-۴۴) میں لفظ "اَثِیْم" کو ('ا' کو 'ی' سے اور 'ث' کو 'ت' سے بدل کر) 'یتیم' (ی کے زیر سے) پڑھا تھا۔[2] اس طرح آیت کے معنی ہی بدل گئے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اسے سمجھانے کے لیے بتایا کہ 'اثیم' کے معنی 'فاجر' کے ہیں اس کا 'یتیم' سے کیا تعلق؟ حضرت ابن مسعودؓ کی جانب منسوب یہ روایت اگر صحیح ہو تو اس کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے، نہ کہ یہ کہ انھوں نے لفظ 'اثیم' کی جگہ 'فاجر' پڑھ لینے کی اجازت دے دی تھی۔ جو شخص یہ بات کہتا ہے وہ حضرت ابن مسعودؓ پر جھوٹ باندھتا ہے اور "سبعۃ احرف" کے معاملے میں رخصت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

ہم ان محققین کی تائید کرتے ہیں جنھوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "یہ رخصت صرف قرآن کو زبانی پڑھنے کی حد تک تھی، کتابت وحی کے معاملے میں کوئی رخصت نہ تھی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نصّ قرآنی کو اسی ٹکسالی زبان میں لکھوایا تھا جس میں وہ اترا تھا۔ اس لیے کہ تمام لہجات کو کسی ایک تحریر میں جمع کرنا ممکن نہ تھا۔[3] دوسرے یہ کہ کتابتِ وحی کا کام مکہ ہی میں شروع ہو گیا تھا جب کہ رخصت ہجرتِ مدینہ کے بعد

---

[1] علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی صالح ص ۱۰۸

[2] بعض عرب قبائل ہمزہ کو 'ی' سے بدل دیتے تھے مثلاً 'ناثم' کو 'تیثم' کہتے تھے۔ اسی طرح 'فعیل' کے وزن پر آنے والے الفاظ کے ابتدائی حرف کو زیر دیتے تھے۔ بعض قبائل 'ث' کو 'ت' سے بدل دیتے تھے مثلاً 'خبیث' کو 'خبیت' کہتے تھے۔ ملاحظہ کیجئے لسان العرب مادہ اثم، خبث، جلد اول ص ۲۲، ۷۸۱ اعداد یوسف خیاط

[3] تاریخ القرآن۔ ڈاکٹر شاہین ص ۵۴-۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی گئی تھی۔

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے یہاں یہ صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ قرآن اور قراءتیں دو الگ الگ حقیقتیں ہیں جیسا کہ علمائے متقدمین نے لکھا ہے۔ قرآن وہ وحی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور قراءتوں سے مراد الفاظِ وحی کی ادائیگی کی کیفیت میں اختلاف ہے[۱]

اگر نصِ قرآنی کے سلسلے میں اختلاف کیفیتِ ادا تک منحصر نہ ہو بلکہ حذف و اضافہ یا اختلافِ حروف تک متجاوز ہو جائے۔ مثلاً سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۰ تَجْرِی تَحْتَهَا الْأَنْهٰرُ دوسرے مصحف میں تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ (من کے اضافہ کے ساتھ) ہے اور سورۂ حجرات کی آیت ۶ إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا میں دوسرے مصحف میں تَبَيَّنُوا کے بجائے تَثَبَّتُوا ہے۔ اور یہ دونوں تواتر سے ثابت ہوں تو ان کا شمار قراءتوں میں نہیں ہوگا بلکہ دونوں نصوص کو قرآن قرار دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ آیتیں دونوں طرح سے اتری ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرح سے ان کی کتابت کروائی ہے[۲]

اس بنا پر علماء نے 'سبعۃ احرف' کی تشریح میں جو وجوہِ اختلاف بیان کیے ہیں، ان کے سلسلے میں تین باتیں کہی جا سکتی ہیں: یا تو ان کا شمار لہجات میں ہوگا، مثلاً لفظ کی ساخت میں بعض حرکتوں یا اعراب کا اختلاف، یا دونوں نصوص تواتر سے ثابت ہوں گی۔ اس صورت میں دونوں کا شمار وحی میں ہوگا، یا دوسری نص تواتر سے ثابت نہیں ہوگی، تو اس کا شمار قرآن میں ہوگا نہ قراءت میں۔

ان حقائق کی روشنی میں "سبعۃ احرف" کی رخصت الفاظِ قرآن کی ادائیگی کے طریقوں تک محدود ہے۔ اور یہ ادائیگی مطلق نہیں ہے بلکہ لازم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسا ہی پڑھایا ہو یا اس طرح پڑھنے کی اجازت دی ہو اور اس سے وحی کا مفہوم نہ بدل جاتا ہو۔

---

[۱] ملاحظہ کیجئے البرہان ۱/ ۲۱۸

[۲] المرشد الوجیز ص ۱۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس رخصت کا تعلق اس مطلق آزادی سے نہیں ہے کہ قرآن کے کسی لفظ کو بدل کر اس کا مترادف لفظ استعمال کر لیا جائے، یا نص میں زیادتی یا کمی کردی جائے، یا اس کے نظم و ترتیب کو بدل دیا جائے، جیسا کہ مستشرقین نے اپنے نظریہ "قرات بالمعنی" کے تحت خیال ظاہر کیا ہے۔ ان روایات کو قراتوں کی جانب منسوب کرنا وہم ہے۔ اسے مستشرقین نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے رواج دیا ہے۔ ان کا قراتوں سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ وہ نہ تو الفاظِ قرآن کی ادائیگی میں اختلاف کو ظاہر کرتی ہیں اور نہ ان کا ثبوت تواتر سے ہے کہ انھیں بھی قرآن قرار دیا جائے۔

البتہ یہ روایات اگر صحیح ہوں تو انھیں تفسیر قرار دیا جا سکتا ہے جنھیں ان مصاحف کے مالک صحابہ نے نصِ قرآنی کے حاشیہ پر کسی مجمل کی وضاحت، کسی محذوف کے بیان یا کسی لفظ کی تشریح کے لیے لکھ لیا تھا اس لیے کہ وہ حضرات اسبابِ نزول اور مقاصدِ شریعت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

اس کام کا مقصد خواہ کتنا ہی پاکیزہ رہا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ نصِ قرآنی پر اس کے سلبی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ان مصاحف کے وارثین یا ان سے اخذ و استفادہ کرنے والوں نے گمان کر لیا کہ ان میں جو کچھ درج ہے سب وحی قرآنی کے الفاظ ہیں۔ تاریخ جمع و تدوینِ قرآن کے ساتھ کتنی زیادتی ہوئی ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں ان اضافات کو "سبعہ احرف" قرار دے کر انھیں وحی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور متاخرین نے بغیر بحث و تحقیق کے انھیں جوں کا توں نقل کر لیا ہے۔[1]

اب ان وجوہِ قرات کی طرف اشارہ کرنا رہ گیا ہے جو مصحفِ عثمانی کے نقطوں اور اعراب سے خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ مستشرقین دعویٰ کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی حقیقت واضح کر دی جائے۔ اس سلسلے میں ابتدا ہی میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ بغیر نقطوں کے قرآن کی کتابت کروانے کا مقصد یہ تھا کہ اگر کسی لفظ کی متعدد قراتیں ہوں تو ان کے لیے ایک ہی رسم الخط اختیار کیا جا سکے۔ بعض مواقع پر ایسا ممکن نہ ہو سکا

---

[1] ملاحظہ کیجئے ہماری کتاب من قضایا القرآن ص ۶۰، ۶۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مختلف قراءتیں ایک رسم الخط کے تحت نہ آسکیں تو بعض مصاحف میں ایک قراءت لکھی گئی اور بعض دیگر مصاحف میں دوسری قراءت[1]

ایسا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کو مختلف لہجات میں پڑھا جا سکے اور لوگ اس رخصت سے فائدہ اٹھا سکیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ قصص کی آیت نمبر ۲۹ یہ ہے اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لفظ "جَذْوَة" کو اہلِ حجاز "ج" کے زبر سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ عاصم نے اسی طرح قراءت کی ہے بنو تمیم "ج" کے پیش سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ حمزہؒ نے اسی طرح قراءت کی ہے۔ بنو اسد "ج" کے زیر سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ بقیہ ساتوں قراء نے اسی طرح قراءت کی ہے[2]

حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو آزاد نہیں چھوڑ دیا کہ وہ جس طرح چاہیں نقشِ قرآنی کو پڑھیں، بلکہ ہر علاقے میں مصحف کے ساتھ ایک قاری (قرآن پڑھانے والے) کو بھیجا چنانچہ مصحفِ مدنی کو پڑھانے کے لیے حضرت زید بن ثابتؓ، مصحفِ مکی کو پڑھانے کے لیے حضرت عبداللہ بن سائبؓ، مصحفِ شامی کو پڑھانے کے لیے حضرت مغیرہ بن شہابؓ، مصحفِ کوفی کو پڑھانے کے لیے حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ اور مصحفِ بصری کو پڑھانے کے لیے حضرت عامر بن عبد القیسؓ کو بھیجا۔[3]

ایسا کرنا دو وجوہ سے ضروری تھا:

پہلی وجہ یہ کہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ مخصوص رسم الخط کی بنا پر بعض الفاظ کو نامطلوب صورت میں ادا کیا جائے۔ مثلاً وَالْاُمِّيّٖنَ (آل عمران -۲۰) کو والامس (ایک ی سے) اَلنَّبِيّٖنَ (آل عمران : ۲۱) کو النبس (ایک ی سے) اور لَاَاذْبَحَنَّهٗ (النمل - ۲۱) کو لااذبحنه (الف کے اضافہ کے ساتھ) لکھا جاتا تھا۔ اسی طرح آیت وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ (الذاریات - ۴۷) میں لفظ بِاَيْدٍ کو بایید (دو ی کے ساتھ) لکھا جاتا تھا۔

ایسے الفاظ کی تعداد تقریباً دو سو چالیس ہے[4]

---

[1] کتاب المصاحف ص ۴۰ - ۴۹

[2] البحر المحیط ۳۲۲/۶

[3] ملاحظہ کیجئے مناہل العرفان ۳۹۶/۱

[4] کتاب المصاحف ص ۱۰۵ - ۱۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس طرح ہر علاقہ کے باشندوں کو اس بات پر آمادہ کرنا تھا کہ جو مصحف ان کے پاس بھیجا گیا ہے اس کے رسم الخط سے جو قراءتیں مختلف ہیں، انھیں ترک کردیں. چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ عربی لہجات میں بعض آوازوں کو بعض پر ترجیح دی جاتی تھی۔ مثلاً بدو دھیمی آوازوں کے مقابلے میں کرخت اور تیز آوازوں کو ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ شہری آیت مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا (البقرہ: ۶۱) کو 'ف' سے پڑھتا تھا تو بدو وَثُومِهَا (ث سے) پڑھتا تھا۔ اول الذکر اہلِ حجاز کی لغت ہے اور موخر الذکر بنو تمیم کی۔ [۱]

اس طرح لوگوں نے بہت سی صحیح قراءتیں چھوڑ دیں جو مصحفِ عثمانی کے رسم الخط سے مطابقت نہ رکھتی تھیں، تاکہ الفاظ میں اختلاف نہ ہو اور مختلف لہجوں میں قربت پیدا ہو جائے۔ [۲]

ایسی قراءتیں اگرچہ صحیح تھیں لیکن مصحفِ عثمانی کے رسم الخط سے مختلف ہونے کی بنا پر قرّاء کی اصطلاح میں شاذ قراءتیں کہلائیں۔ اس طرح مصحفِ عثمانی کو قراءتوں کے سلسلے میں حَکَم کی حیثیت حاصل ہوگئی، نہ کہ اس کی وجہ سے قراءتوں کا اختلاف رونما ہوا جیسا کہ مستشرقین دعویٰ کرتے ہیں۔

ان متداول مصاحف کا استعمال تقریباً چالیس سال تک (یعنی حضرت عثمانؓ کی خلافت سے عبدالملک بن مروان کے عہد تک) ہوتا رہا ہے۔ اس عرصہ میں محض مصحف پر اعتماد کرنے اور معتبر قرّاء کی طرف رجوع نہ کرنے کی وجہ سے لوگوں کی زبانوں پر بہت سی غلط قراءتیں رواج پاگئیں اور اہل بدعات و خرافات روافض وغیرہ نے بھی قرآن کے ساتھ کھلواڑ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ غلط قراءتوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلَّيْنَ عَضُدًا (الکہف۔ ۵۱) کے بجائے الْمُضِلِّيْنَ (تثنیہ)

فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (یٰسٓ۔ ۱۴) کے بجائے فَعَزَرْنَا

جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ اَخِيْهِ (یوسف۔ ۷۰) کے بجائے فِي رِجْلِ اخيه

---

[۱] تفسیر القرطبی ۱/۳۳۱، اللہجات العربیہ ص ۱۱۲

[۲] مقدمہ حجۃ قراءات ابی ذرعہ ص ۱۰، الابانہ ص ۱۰، المرشد ۵۳-۵۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرہ ۲) کے بجائے لَا زَيْتَ فِيْه
فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ (یونس ۹۲) کے بجائے نُنَحِّيْكَ
بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ (ہود ۸۶) کے بجائے تَقِيَّةُ اللّٰهِ [1]

یہ غلط قراءتیں اگرچہ بعض لوگوں کی زبانوں پر جاری رہیں لیکن انھیں قرآن نہیں تسلیم کیا گیا۔ اس لیے کہ ان کا مہمل ہونا واضح تھا اور ان کی صحت کے سلسلے میں کوئی معتبر روایت نہیں تھی۔

پھر مستشرقین کے لیے کیوں کر مناسب ہے کہ وہ ان مہمل اقوال کو قرآن کی بعض قراءتیں شمار کریں؟ اور قراء کی ان کوششوں اور ان کے طریقۂ کار کو نظر انداز کر جائیں جو انھوں نے قرآن کی قراءتوں اور ان کی تاریخ کو منضبط کرنے اور صحیح اور غلط کو الگ الگ کرنے میں صرف کی ہیں۔ ماہرینِ قراءت کا طریقۂ کار انتہائی دقیق تھا۔ انھوں نے کسی قراءت کو قبول کرنے کے لیے تین شرطیں رکھی تھیں: (۱) وہ مصحفِ عثمانی کے رسم الخط کے موافق ہو۔ (۲) صحیح سند سے ثابت ہو اور (۳) عربی زبان اور قواعد کے بھی خلاف نہ ہو۔ ان شرائط کے ساتھ عظیم قراء کے ذریعہ علم قراءت پروان چڑھا اور اس کی بنیادیں استوار ہوئیں۔

کیا اس تفصیل کے بعد بھی کسی انصاف پسند کے دل میں جمع و تدوینِ قرآن اور قراءتوں کے سلسلے میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے؟!!

(ماخوذ از: حولیۃ کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ - جامعۃ قطر العدد الثالث ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء)

---

[1] تاریخ القرآن شاہین ص ۲۱۴، بحوالہ کتاب التنبیہ علی حدوث التصحیف، حمزہ اصفہانی

عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا

ڈاکٹر رؤفہ اقبال صاحبہ نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریۂ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۴۷، قیمت ۲۵ روپے

ملنے کے پتے (۱) ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

(۲) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ ابوالفضل انکلیو نئی دہلی ۲۵

© rasailojaraid.com